روبینہ سرور

قرآنی تراجم کے اثرات اردو زبان وادب پر

اردو زبان نے دوآبہ میں جنم لیا اور بزرگوں کی گود میں پرورش پائی۔ صوفیائے کرام اور مشائخ نے معاشرے کی اصلاح اور دین کی تبلیغ کے لیے عوام کا تزکیۂ نفس شروع کیا۔ باطنی اصلاح کے لیے روحانی نظام کو مربوط کیا ان میں سے بعض بزرگوں نے قرآنی آیات کو صوفیانہ کلام میں ڈھالا اور حمد و نعت کے ذریعے اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی تعلیمات کو اجاگر کیا۔ صوفیائے کرام نے رشد و ہدایت کے لیے جب مقامی زبان کو وسیلہ بنایا تو بالواسطہ طور سے اردو کی خدمت بھی کر گئے۔[1]

شاہ برادران کے لفظی و بامحاورہ تراجم نے برِ عظیم کے زبان وادب پر اس حد تک اثرات مرتب کیے کہ محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب ''آبِ حیات'' (جو کہ شعرائے اردو پر تبصروں کے لیے مرتب کی گئی تھی) میں بطور خاص ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

> ''عجب لطف کی بات ہے زبانِ اردو کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔ مولوی عبدالقادر نے قرآن کا ترجمہ اردو میں کیا۔[2]''

برِ عظیم کے علما نے جب تراجم قرآن کا آغاز کیا تو ان کا اصل مقصد مسلمانوں کو قرآن فہمی کے ذوق کے ساتھ دین کی سمجھ پیدا کرنا تھا مگر اس کا فائدہ اردو نثر کو بہت ہوا اردو نثر میں سادگی اور پختگی پیدا ہوتی گئی۔[3] نثر اردو کی ترقی کا زریں عہد انیسویں صدی کے نصف آخر کو سمجھنا چاہیے جس میں سرسید اور ان کے مکتبۂ فکر کے لوگوں نے اردو نثر نگاری میں خاص رنگ پیدا کیا۔ اس زمانے میں جس قدر مذہبی مناظرے خواہ مسلمانوں کے آپس میں یا مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے درمیان ہوتے تھے اس سے اردو کو ترقی اور ایک قسم کی تقویت حاصل ہوئی ابھی کتابیں اور رسائل جو کہ پرزور عبارت میں لکھے جاتے تھے اور محض عارضی اثر چھوڑتے تھے اس کے مقابلے میں سادہ اور دل نشیں اندازِ تحریر نے فروغ حاصل کیا۔[4] اردو نثر اور نظم دونوں پر تراجم کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

انیسویں صدی کے آخری تیس سال کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ یہ دور مشرقیت کا بہ لحاظ تصنیف و تالیف بھرپور عکاس ہے۔[5] پرانی تعلیم کے زیر سایہ اور ''نئی روشنی'' کی صبح صادق میں جتنے بہترین اسالیبِ بیان پیدا ہو سکتے تھے وہ تحریک سرسید کے زیر سایہ پیدا ہو گئے۔[6] سرسید کی جامعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اکیلے

سرسید کی تحریر میں عالمانہ وفلسفیانہ، نرم گرم، متین وپُر مزاح ہر طرح کا اسلوب موجود ہے دیگر موضوعات سے قطع نظران کے ترجمہ وتفسیر قرآن نے شاہ برادران کے ازحد محتاط رویے کے برعکس عصر حاضر کے درپیش مسائل کو قرآن کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کی علم کے جو زاویے سرسید نے پیش کیے وہ سرسید کا ایسا فیض ہے کہ جس نے زنگ آلود ذہنوں کو سوچنے پر مجبور کیا اسے اہل علم سرسید کے فیض سے زیادہ کرامت سے تعبیر کرتے ہیں ۸۔ علوم وفنون اور مضمون وموضوع کے اعتبار سے انیسویں صدی کا آخری دور کامیاب ترین دور تھا اس دور میں بہ لحاظ تعداد سب سے زیادہ مذہبی کتابیں لکھی گئیں مصنفین پر قدیم وضع، اخلاق اور تعلیم کے گہرے اثرات تھے یہ دور انقلابی بھی تھا بہت تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

سرسید کے ہم عصروں میں مولوی نذیر احمد صاحب نے ''غرائب القرآن'' کے تحفے سے علمی وادبی حلقوں میں ہلچل کی کیفیت پیدا کر دی۔ مولوی نذیر احمد صاحب کثیر التصنیف اور ''سریع التصنیف'' دونوں تھے مولوی نذیر احمد نے چار علما کی مدد سے تین سال کے عرصے میں ترجمہ مکمل کیا کہ جس کا اہم نقص محاوروں کا بے جا استعمال بتایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مذہبی صحیفہ کے متن کا وقار متاثر ہوا ۹ لیکن اس کے باوجود مولوی نذیر احمد کی جدتوں اور خوبیوں سے بلا استثنیٰ تمام مترجمین نے فائدہ بھی اٹھایا خاص کر تشریحی الفاظ تو ہر کسی نے بڑھائے مولوی فتح محمد جالندھری، مولوی عاشق الٰہی، مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن غرض کہ ہر شخص نے مولوی نذیر احمد کے ترجمے سے اور انداز تشریح سے استفادہ کیا باوجود اس کے کہ مولوی نذیر احمد پر کفر تک کے فتوے لگے عقائد کے باہمی تضاد ومخالفت نے ایک دوسرے کے ترجمے کو نامعتبر بھی قرار دیا ان تمام بحث ومباحثوں سے قطع نظر مولوی نذیر احمد کا فضلِ تقدم مسلم ہے کہ جس نے اردو زبان و ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے ۱۰۔ ترجمہ اور تصنیف سے متعلق اہلِ قلم جانتے ہیں کہ ان کی عبارت میں کسی زبان کے لفظ کا جو مطلب ہوتا ہے اسے دوسری زبان میں منتقل کرنے میں لفظ کا چناؤ بے حد اہم ہوتا ہے ورنہ مطلب خیزی ہاتھ نہیں آتی ۱۱ زبان اظہار واحساس کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ تخلیق ادب میں زندگی کی قدریں ہر دور میں اہم رہی ہیں ہر دور میں ایسی قدریں پروان چڑھتی ہیں جنھیں زندگی کی قدریں کہا جاتا ہے۔ زندگی کا تعلق ہر دور میں مذہب سے بڑا گہرا رہا ہے ۱۲ مذہب زندگی میں خیر کی قدروں میں سب سے اہم ہے۔ برِعظیم کے مسلمانوں نے مذہبی ادب کے فروغ سے جو قدریں دیں وہ زبان وادب میں دائمی اور بنیادی اقدار کی حیثیت رکھتی ہیں ۱۳ ادب اور مذہب کے اس گہرے تعلق کی نوعیت مادی نہیں بلکہ روحانی ہوتی ہے عوامی شعور کو اجاگر کرنے میں جو روحانی تسکین پنہاں ہوتی ہے وہ افادیت کا لازمی جزو ہے مذہبی قدریں ادب میں دائمی اور بنیادی اقدار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ افادی ادب کی تخلیق اضطراری عمل نہیں ہے بلکہ یہ باقاعدہ،

منظم اور مربوط شہ ہے۔ ایسا تخلیق کار کسی شہ کو سطحی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ اس کی تہہ تک پہنچتا ہے اور اس کا مشاہدہ محض مشاہدہ نہیں بلکہ ٹھوس حقیقت بن جاتا ہے۔ جہاں تک برِّعظیم کے خاص ماحول کا تعلق ہے وہ ایک ایسا معاشرہ تھا کہ جہاں اسلام کی سیاسی اور مذہبی تطبیق کے مختلف النوع نمونوں کی کڑی جانچ پڑتال جاری تھی جہاں مذہبی اور ثقافتی شناخت مسلمانانِ برِّعظیم کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتی ہو وہاں مذہبی تصانیف کا رجحان فطری ہے۔[۱۴]

شاہ برادران کے ترجموں کو ابتدائی مساعی کہا جاتا ہے اٹھارہویں صدی کا اختتام اور انیسویں صدی کی ابتدا کے بعد سرسید تحریک بارآور ہو چکی تھی۔ سرسید کی مذہبی تصانیف کے ساتھ مولوی نذیر احمد، شبلی، آزاد، حالی ہر کسی نے اپنی اپنی تصانیف میں بھرپور مذہبی رنگ کی عکاسی کی ہے ایسا مذہبی رنگ کہ جس میں عقلی رجحانات سائنسی میلان اور ٹھوس حقائق کو زیادہ جگہ دی گئی [۱۵]۔

۱۹۳۰ء کے آس پاس کا دور فرقہ ورانہ تنگ نظری اور کوتاہ بینی کا دور ہے۔ ترقی پسند اور رجعت پسند خیالات کا ٹکراؤ غیر ملکی سرمائے پر بڑھتا انحصار، سائنس، سیاست، روایت، اشتہار، صنعتی زندگی، کثیر الجہات مسائل مقصدیت لامقصدیت ہر قسم کے موضوعات کے تجزیے میں مذہبی بالادستی کو دیکھا جا سکتا ہے[۱۶]۔ بیسویں صدی کے آتے آتے ہمیں ابوالکلام آزاد جیسے معجز بیاں نظر آتے ہیں کہ جن کی عالمانہ نثر ''الہلال'' سے شروع ہو کر ''تفسیر قرآن'' تک قائم رہی [۱۷]۔

ابوالکلام آزاد کے ہم عصر مولانا عبدالماجد دریابادی بیسویں صدی کے صاحبانِ قلم میں مستند نام کہ جب وہ ملحدانہ رنگ میں تھے تو انھوں نے عقلیت پسندی کے نقطۂ نظر سے اسلام پر بھرپور اعتراضات کیے یورپی فلسفے کو پورے رچاؤ سے محسوس کیا بعدازاں جب انھوں نے کروٹ بدلی تو پھر اتنی ہی شدت سے اسلام کے فلسفے کی ترویج بھی کی۔ اِن کے مضامین کے مجموعے اکبرنامہ، مقالاتِ ماجد، مضامینِ ماجد، محمد علی کی ڈائری غرض جو کچھ لکھا اس پر ''تفسیری ماجدی'' کے اثرات نمایاں ہیں شعوری طور پر جب وہ مغربی ترقی کے مخالف ہوئے تو وہ اپنے اخبارات کے کالموں میں بھی ترقی پسندی کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے تھے مگر ان کی تحریر کے دلچسپ اسلوب نے انھیں اہم ترین درجہ دلوایا [۱۸]۔

شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی ''سیرۃ النبی'' کی اشاعت کے بعد سے تفسیر اور تراجم کے بعد اردو زبان میں سب سے زیادہ کام ''سیرۃ النبی'' پر ہوا۔ ابوالکلام آزاد کا نثری شاہکار ''ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے جس کا اقتباس ہے کہ:

"یاایھا النبی انا ارسلنک شاھداً و مبشراً ونذیرا ودعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیراً(پ ۲۲ ع ۳)"

ترجمہ: ''اے پیغمبرِ اسلام! ہم نے تم کو دنیا کے آگے حق کی گواہی دینے والا، سعادت انسانیت کی خوشخبری پھیلانے والا، اللہ کی طرف اس کے بندوں کو بلانے والا اور دنیا کی تاریکیوں کے لیے ایک چراغِ نور بنا کر بھیجا ہے۔''

پس تمام کرۂ ارض کی روشنی کے لیے یہ بھی ایک آفتابِ ہدایت ہے جس کی عالم تسخیر کرنوں کے اندر دنیا اپنی تاریکیوں کے لیے نور بشارت پا سکتی ہے اور اس لیے صرف وہی ایک ہے جس کے طلوع کے پہلے دن کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی ۱۹۔ اسی طرح اپنے مضمون ''پیغامِ محمد'' میں کتنی خوبصورت بات کہی ہے کہ:

''بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اس کی استعداد ہو شور زمین پر کتنی بارش ہو سر سبز و شاداب نہیں ہوتی۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں حق قبولیت کی استعداد ہے۔ جنھوں نے استعداد کھو دی ان کے حصے میں محرومی اور نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا ۲۰۔''

جہاں سیرۃ النبی کا ذکر کیا گیا وہاں قرآنی تراجم کے حوالے ضرور دیے گئے مثلاً مالک رام نے اپنے مضمون ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' میں قرآنی آیات کے حوالے سے ہی آنحضرت کے اخلاق حسنہ کو واضح کیا ہے ۲۱۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ بھی اپنے مضمون ''حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات'' میں رقم طراز ہیں کہ: ''آپ کی حیاتِ طیبہ کا ہر واقعہ امتیازی شان رکھتا ہے اور جامی نے ہرگز مبالغہ نہیں کیا اگر یہ کہا کہ:

ہمہ قرآن در شان محمد ۲۲

محمد طفیل نے 'نقوش' رسول نمبر چار جلدوں میں نکال کر سیرۃ النبی کی ضمن میں اہم کارنامہ انجام دیا۔

نثر کی طرح نظم پر بھی قرآنی تراجم کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے ورنہ کلاسیکل شعرا میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس نے اپنے اشعار میں قرآنی تلمیحات کا استعمال نہ کیا ہو۔

میر نے اپنے افکار و نظریات کی بنیاد آیات قرآنی پر رکھی جب کلام میں قرآن و احادیث میں سے کوئی حصہ جزوی یا کلی طور پر استعمال کیا جائے تو صنعتِ اقتباس کہلاتی ہے۔ صنعتِ تلمیح اس اعتبار سے مختلف ہے کہ تلمیح میں کسی تاریخی یا دینی واقعے یا قصے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اقتباس میں ضروری نہیں کہ کوئی واقعہ یا قصہ مضمر ہو۔ یہ شعری روایت خواجہ مسعود سعد سلمان (۵۱۵ھ/ ۱۱۲۱ء) کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ میر نے بھی اپنے فکری استدلال میں اس روایت سے کام لیا مخمس در منقبت کا ایک شعر ہے:

میرے مولیٰ کی ذات پاک ہے وہ
جس کو کہتے ہیں لاشریک لہ

(القرآن: لاشریک لہ، سورۂ الانعام ۶، آیت ۱۶۳) ۲۳

غالب کے ہاں بھی کثرت سے تلمیحات کا استعمال نظر آتا ہے جنت دوزخ، حور وفرشتے، توحید پرستی، حشر ونشر، حساب وکتاب، دیدہ یعقوب، یدِ بیضا، عصائے موسوی، من وسلویٰ، نارِ نمرود، گلزارِ خلیل، قصہ آدم وحوا، معراج کا واقعہ، طوبیٰ وسدرہ کا ذکر، ابن مریم، صبرِ ایوب، گریہ یعقوب غرض یہ کہ قرآنی تلمیحات و اقتباس کا ایک جہاں غالب کی شاعری میں نظر آتا ہے مثلاً:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
مرے دکھ کی دوا کرے کوئی

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہوگئیں

صبرِ ایوب کیا، گریۂ یعقوب کیا
ہم نے کیا کیا نہ تیرے ہجر میں محبوب کیا

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

غالب نے قرآنی تلمیحات اخذ کر کے اپنی شاعری میں رنگ بھرا ہے[۲۴] اسی طرح میر انیس تاریخ اسلام اور فکر قرآنی سے خوب واقف تھے انھوں نے اپنے مرثیوں میں (کہ جنھوں نے اردو میں رزمیہ شاعری (Epic) کی کمی کو دور کیا ہے) فلسفہ اخلاق، تہذیبی رکھ رکھاؤ اور تزکیۂ نفس کو بہت خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے، مثلاً:

شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
فرمایا بازگشت ہے سب کی سوئے خدا

بازگشت سب کی سوئے خدا ترجمہ ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کا اسی طرح احادیث کو بھی اشعار کی صورت میں پیش کیا ہے مثلاً:

آزار مجھے دو گے جو دو گے انھیں آزار
دونوں یہ جدا مجھ سے نہیں ہوئیں گے زنہار

(حدیث کا ترجمہ) جس نے فاطمہ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی[۲۵] اقبال کی تو تمام شاعری کا محور ومرکز اسلامی فکر کا احیا ہے:

خودی کا سرِ نہاں لا الــــــــــــــــہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الــــــــــــــــہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الــــــــــــــــہ الا اللہ

یہاں صرف چار شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ جنھیں اردو شاعری کے ستون کہا جاتا ہے[۲۶] ورنہ اردو زبان کا کون سا شاعر ہے کہ جس نے قرآن کے اثرات کا ذکر اپنی شاعری میں نہ کیا ہو۔

اردو میں مذہبی ادب برِعظیم میں مسلمانوں کی آمد سے تخلیق ہو رہا ہے[۲۷] ابتدا میں محض مذہبی و روحانی تربیت کے لیے ملفوظات و مختصر تفاسیر کے نمونے غیر منظم انداز میں لکھے گئے نظم و نثر دونوں اصناف میں تصنیف و تالیف اور تراجم کا کام شروع ہوا یہاں تک کہ اردو میں مذہبی ادب کا وافر ذخیرہ جمع ہوتا گیا مولوی عبدالحق کی نگرانی میں اردو میں مذہبی ادب کے حوالوں کی کتاب بھی مرتب کروائی گئی[۲۸] اور اب وقت گزرنے کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ برِعظیم میں مسلمانوں کے طویل دورِ اقتدار نے تہذیب و تمدن کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ لسانی اور ادبی ذخیرے پر بہت اثر ڈالا ہے[۲۹] اردو کو عموماً مسلمانوں کی زبان تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ عربی اور فارسی کے آمیزے سے پروان چڑھی سترہویں صدی کے وسط سے برِعظیم کے مسلمانوں نے اس زبان میں تخلیقی اظہار شروع کر دیا تھا چنانچہ یہ بات بالکل درست ہے کہ مذہبی اسلامی ادب نے ابتدا سے ہی جگہ بنانی شروع کر دی تھی[۳۰] مذہبی ادب کے فروغ کا سلسلہ خاندانِ ولی اللہی کے تراجم کے بعد زیادہ فعال ہو جاتا ہے۔ صوفیانہ شاعری ہو یا ٹھوس علمی مضامین مباحثے ہوں یا مناظرے، سیرۃ النبی ہو یا احادیث کے مجموعوں کے تراجم، عقلی و نقلی علوم، فقہ، اسما الرجال، صرف و نحو، قواعد، تاریخ غرض ہر موضوع پر اتنا وقیع ذخیرہ جمع ہوتا گیا کہ شاید ہی کسی دوسری زبان میں ہو۔ ہر علاقے، ہر مسلک، ہر مکتبہ فکر اور نقطۂ نظر اعلیٰ درجے کی علمی و تحقیقی کتابیں، رسالے، اخبارات، تفاسیر غرض ہر نوع کا بے حد گراں قدر کام ہوتا رہا۔ اصول تفاسیر کے نام سے ایک نیا علم بھی معرضِ وجود میں آ گیا، تو ادھر شاہ ولی اللہ صاحب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" لکھ چکے تھے۔ سر سید احمد خان نے "رسالہ اصولِ تفسیر" کے نام سے تحریر کیا۔ بعد میں آنے والے تقریباً تمام مترجمین کے ہاں اصول تفسیر بیان کیے گئے۔ دکنی ادب میں صوفیائے کرام کے مذہبی رسالوں نے اہم کردار ادا کیا، جب کہ شمالی ہند میں مذہبی ادب کا نکتہ آغاز شاہ برادران کے ترجموں سے ہوتا ہے، ان تراجم کا اصل مقصد عوام تک پیغام قرآنی پہنچانا تھا اس لیے زبان سادہ اور سریع الفہم استعمال کی گئی تشبیہ،

استعارہ اور مترادفات کے محدود استعمال کے باوجود ان تراجم میں تخلیقی شان ہے اسی زمانے میں سودا اور تحسین وغیرہ ادب کے افق پر چھائے ہوئے تھے لیکن زبان کی سادگی کی وجہ سے شاہ عبدالقادر تاریخی مقام بنانے میں کام یاب ہوگئے۔ چنانچہ جب فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا تو وہاں کے مصنفین نے مفرس و معرب تحریروں میں الجھنے کے بجائے سادہ اسلوبِ نثر کو اپنایا۔ محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں دل چسپ تبصرہ کیا ہے کہ:

''دانائے فرنگ جو کلکتہ فورٹ ولیم کالج پر دوربین لگائے بیٹھا تھا تاڑ گیا کہ لڑکا ہونہار ہے مگر تربیت چاہتا ہے (ہونہار لڑکا سے مراد اردو زبان و ادب کے امکانات)[۳۱]''

فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرائسٹ کی خصوصی توجہ کے ساتھ قرآن کے ترجمے کا کام کاظم علی جوان کی سربراہی میں شروع کیا گیا یہ ترجمہ ۱۸۰۴ء میں مکمل ہوا ترتیب زمانی کے لحاظ سے فورٹ ولیم کالج کا ترجمہ تیسرا ترجمہ ہے اس ترجمے میں عربی تفسیر بیضاوی، جلالین فارسی تفسیر بحر مواج اور تفسیر حسینی سے بطور خاص استفادہ کیا گیا[۳۲] انگریزوں نے بطور خاص فارسی کا تہذیبی اثر کم کرنے کے لیے فورٹ ولیم کالج میں اردو نثر کو فروغ دیا[۳۳]۔

فورٹ ولیم کالج سے جو داستانیں شائع ہوئیں ان پر اسلامی تہذیب و اخلاقیات کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں مولوی امانت اللہ شہید نے جو عربی کے عالم تھے فقہ اسلامی پر عربی میں کتاب تحریر کی اس کا ترجمہ ''ہدایت الاسلام'' کے نام سے کیا۔ اخلاقِ جلالی کا بھی ترجمہ مولوی امانت نے کیا۔ یہ تالیفات فورٹ ولیم کالج کی سرپرستی میں شائع کی گئیں[۳۴] شاہ عبدالعزیز عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ روشن خیال بھی تھے کلکتہ کالج قائم ہونے کے بعد آپ نے مسلمانوں کو جدید علوم سیکھنے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں تعلیم کی اجازت دی[۳۵] مذہبی تصانیف میں آپ کے ''فتاویٰ'' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے لائق ترین شاگرد سید احمد بریلوی شہید تھے کہ جنھوں نے عمومی جہاد میں حصہ لیا۔ بالاکوٹ کے مقام پر آپ کو شکست ضرور ہوئی اور آپ شہید بھی ہوگئے لیکن آپ نے اپنی تحریروں میں جہاد کی اہمیت کو قرآنی حوالوں سے اجاگر کیا۔ بعدازاں مولوی اسحاق نے اس دبستانِ فکر کو آباد رکھا۔ اس دور میں استاد اور شاگرد کا رشتہ بہت اہمیت کا حامل تھا چنانچہ آپ کے شاگرد مولوی مملوک نے (جو دلّی کالج سے وابستہ تھے) نے فکر ولی اللہی اور سید احمد بریلوی شہید کے نظریات کو اجتماعی رنگ دینے کے لیے بورڈ تشکیل دیا اور پھر برِعظیم کی سرزمین سے مولوی مملوک کے دو ایسے شاگردوں نے جنم لیا کہ جو نشاۃ الثانیہ کی بنیاد بنے یہ دو مکتبہ فکر ضرور تھے مگر ان دونوں نے برِعظیم میں فکر و نظر کے نئے چراغ روشن کیے یہ دو شخصیات تھیں مولانا قاسم نانوتوی کہ جنھوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور دوسری شخصیت تھی سرسید احمد خان کی جو علی گڑھ تحریک کے روح رواں

تھے۔ گزشتہ سطور میں سید احمد بریلوی کے نظریات کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید جو اس تحریک کے علم برداروں میں سے تھے انھوں نے اپنی کتاب ''ردالاشراک'' کا ترجمہ ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے کیا جب کہ احادیث کے مجموعے مشکوٰۃ کا ترجمہ مولانا اسحاق نے کیا۔ جعفر تھانیسری نے بھی ان اکابرین کے اسلوب سے متاثر ہو کر اسلامی جہاد پر تین کتابیں سوانح عجیبیہ، تاریخ عجیب اور کالا پانی (خودنوشت) کے نام سے تحریر کیں۔ جب کہ مولانا عبدالرحیم نے ''تذکرہ صادقہ'' مخصوص قرآنی فکر کے انداز پر تحریر کی بلاشبہ برِ عظیم کے قرآنی تراجم اور مذہبی رسائل خاص طور پر سید احمد بریلوی شہید کے رسائل کو جدید اردو کا پیش خیمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۳۶

مومن خان مومن کی ''مثنوی جہادیہ'' مذہبی ادب میں اہم مقام رکھتی ہے۔ برِ عظیم ایک کثیر القومی مملکت ہے۔ یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں نے ایک دوسرے کے اثر کو قبول کیا ہے برہمو سماج کے راجہ رام موہن رائے نے اسلام اور عیسائیت کے گہرے مطالعے کے بعد ''تحفۃ الموحدین'' لکھی جس میں قرآنی تراجم کا موثر استعمال کیا ہے۔

برِ عظیم کا ایک اہم ادارہ دلّی کالج بھی رہا ہے ڈاکٹر اسپرنگر نے کالج کے زیر اہتمام تصنیفات و تالیفات پر بہت زور دیا۔ کالج کا میگزین ''قران السعدین'' کے نام سے شائع کروایا ۳۷۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری اور بہارِ عجم کی اشاعت کروائی۔ ان کتابوں نے اردو کی کم مائیگی کو دور کرنے میں بہت مدد دی کیوں کہ اب اس کے اثرات مختلف علوم پر پڑنے لگے۔ ولیم میکناٹن نے قانون کی کتابوں کے علاوہ ''قانونِ محمدیؐ وراثت وفوجداری'' تحریر کی ماسٹر رام چندر نے تاریخ اسلام تحریر کی۔ اس کالج کے بہترین شاگرد محمد حسین آزاد اور مولوی نذیر احمد ثابت ہوئے کہ جنھوں نے اردو زبان کے مذہبی اور ادبی سرمائے میں گراں قدر خدمات انجام دیں سر سید احمد بھی دلّی کالج اور ڈاکٹر اسپرنگر سے متاثر تھے ان سے ہی سر سید نے مسائل کے سائنسی و عقلی تجزیے کی تربیت لی ۳۸۔

سر سید کے ذہنی ارتقا میں ان کے ترجمۂ قرآن کا اہم مقام ہے علی گڑھ تحریک نے مذہبی فکر کو انگریزی زبان سے متصادم نہیں ہونے دیا۔ نواب عماد الملک نام ایک خط میں سر سید نے لکھا کہ:

> ''دینیات کی تعلیم کا سوال بہت مشکل ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے موجودہ کتب سنّی وشیعہ اس قابل نہیں کہ علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کرنے والے کسی مسلمان کا اعتقاد قلبی اسلام پر رہے یہی خیال مجھ کو باعث ہوا کہ میں نے تفسیر قرآن مجید لکھی۔''

سر سید کے اس اہم اقدام سے گویا اسلامی موضوعات کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ سر سید نے انشا پردازی میں مذہبی موضوعات کو خاص اہمیت دی علاوہ ازیں ولیم میور کی کتاب کا جواب ''خطباتِ احمدیہ'' کی صورت میں دے کر

نئی طرز کی مذہبی تصنیف کو متعارف کروایا۔ آپ کے رفقا نے قلم کے وہ جوہر دکھائے کہ جس پر اردو زبان و ادب ہمیشہ نازاں رہے گا۔

شبلی نے تاریخ رفتہ کی عظمتوں کو ابھارا انھوں نے بہت ذمے داری سے قلم اٹھایا الفاروق، المامون، سوانح مولانا روم، شعر العجم اور پھر سیرۃ النبیؐ جیسے معرکتہ الآرا کارنامے انجام دیے۔ شبلی کی تمام تصانیف پر اسلامی فکر کی گہری چھاپ واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ مولوی نذیر احمد نے ایک طرف ناول نگاری میں اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا اٹھایا تو دوسری جانب ترجمہ قرآن وتفسیر سے ایسے اثرات مرتب کیے کہ ہر کسی نے باوجود اعتراض کے بھرپور فیض اٹھایا۔ مولوی نذیر احمد کی ''الحقوق والفرائض'' کا شمار بہترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ محسن الملک نے رسالہ ''میلاد شریف'' سے مولوی چراغ نے رسائل سے کہ جن میں معترضین اسلام کو مدلل جواب دیے گئے۔ محمد حسین آزاد نے تاریخ، تنقید ہر کسی میں اسلامی فکر کو واضح کیا۔ عبدالحلیم شرر کے اسلامی تاریخی ناول کے علاوہ ان کے رسالے ''مہذب'' اور ''دل گداز'' نے سرسید تحریک کو آگے بڑھایا۔ عبدالحلیم شرر کے ناولوں میں اسلام کا شان دار ماضی وتہذیب زندہ ہو جاتا ہے۔ صفیر بلگرامی نے ''جلوۂ خضر'' امداد امام اثر نے ''کاشف الحقائق'' اور مولوی سمیع اللہ کے خطبات میں اسلامی ایقان واضح ہے۔

پھر شبلی کے نام ور شاگرد علامہ سلیمان ندوی کی تصانیف دیکھیں سیرۃ النبیؐ کی تکمیل کے علاوہ سیرتِ عائشہؓ، عربوں کی جہاز رانی، نقوشِ سلیمانی سمیت ہر کتاب پر ان کے ندوۃ العلما سے فارغ التحصیل ہونے کے اثرات کو محسوس کیا جاسکتا ہے خاص کر خطبات مدراس پر جو کہ مدراس یونیورسٹی میں دیے گئے، یہ آٹھ خطبے سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) انسانیت کی تکمیل صرف انبیا کی سیرتوں سے ہوسکتی ہے
۲) عالم گیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے
۳) سیرت محمدیؐ کا تاریخی پہلو
۴) سیرت محمدیؐ کا تکمیلی پہلو
۵) سیرت محمدیؐ کی جامعیت
۶) سیرتِ محمدؐ کی عملیت یا عملی پہلو
۷) پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام
۸) پیغام محمدیؐ

ان خطبات کی وجہ یہ تھی کہ امریکن عیسائی یونیورسٹی میں آکر تبلیغ کرتے تھے چنانچہ اس کے جواب

میں یہ خطبات تحریر کیے گئے ۹ ۳ سرسید کے مذہبی خیالات کے اختلاف کے نتیجے میں مولوی امداد العلی نے ''امداد الآفاق'' نامی رسالہ جاری کیا اس کے علاوہ ''نورالانوار''، ''لوح محفوظ''، ''تائیدالاسلام'' اور ''شہاب ثاقب'' جیسے رسالے مذہبی ادب کے فروغ کا باعث ہے۔ بیسویں صدی میں مولانا ابوالکلام آزاد نے مذہبی وادبی حلقوں میں اپنی تحریروں سے ہیجان پیدا کر دیا۔ ابوالکلام آزاد کی شان دار نثر جو ''الہلال'' سے شروع ہوئی اس کی شان وشوکت ''ترجمان القرآن'' تک قائم رہی۔ ابوالکلام آزاد نے علی گڑھ تحریک کی لاکھ مخالفت کی ہو لیکن ان کی ''الہلالی'' نثر وفکر نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو تیزی سے ان کی جانب مائل کیا۔ اردو کی مذہبی تحریروں میں ابوالکلام آزاد سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

برِعظیم کی تاریخ میں لاہور کی ادبی اہمیت مسلّم ہے اس اہمیت میں اس وقت مزید اضافہ ہو گیا جب دلّی کالج کو لاہور کالج منتقل کر دیا گیا۔ انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد قدیم مشرقی علوم کا احیا بھی تھا۔

حالی جو سرسید تحریک کے اہم رکن تھے۔ یہاں آ کر انجمن پنجاب کے جلسوں کے روح رواں بن جاتے ہیں۔ یہیں حالی نے عیسائی پادری مبلغ کی ''ہدایت المسلمین'' کے جواب میں ''تریاقِ سموم'' لکھی حالی کی مسدّس سے کون واقف نہیں اسلامی تاریخ کے مدّ وجزر کو حالی نے امر کر دیا۔

لاہور میں السنہ مشرقیہ کا قیام عمل میں آیا کہ جسے بعدازاں اورینٹل کالج بنا دیا گیا۔ اس کالج نے بھی اردو کے مذہبی ادب میں معیاری اضافہ کیا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی نے مشرقی علوم کے احیا کے لیے معیاری کتابیں تحریر کیں۔ ڈاکٹر لائٹز نے ''سنینِ اسلام'' مولانا فیض الحسن سہارنپوری نے ''تحفہ صدیقہ، عروض المفتاح الریاض الفیض''، تحریر کیں۔ اِس کالج کی عظیم شخصیات میں مولوی محمد شفیع، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور علامہ اقبال کے نام اہم ہیں۔

ہر کسی نے زبان وادب کو اعتماد بخشا مگر اقبال نے عظمت آدم کے ساتھ ساتھ تاریخ کی عظمت اور خودی کا وہ احساس دیا جو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تعبیر بن گیا۔ اقبال نے بیسویں صدی کے علوم وافکار کو دامن اردو میں سمیٹنے کے بعد دنیا بھر کے فلسفوں سے استفادہ کے بعد اپنی منزل قرآن ہی کو قرار دیا کیوں کہ قرآن پاک وہ کتاب ہے جو فکر کے بجائے عمل پر اصرار کرتی ہے یہ عمل خاص طرز کا باطنی تجربہ ہے جس پر بالآخر مذہبی ایمان کا دارومدار ہے۔ ۴۰ اقبال کے نزدیک رہِ انسانیت کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) کائنات کی روحانی تعبیر، (۲) فرد کا روحانی استخلاص، (۳) اور ایسے عالمگیر نوعیت کے بنیادی اصول جو روحانی بنیادوں پر انسانی سماج کی نشوونما میں رہنما ہوں ۴۱۔

اقبال اپنے خطبے ''انسانی خودی اس کی آزادی اور لافانیت'' میں فرماتے ہیں کہ:

''قرآن حکیم اپنے سادہ مگر پرزور اسلوب میں انسان کی فردیت اور یکتائی پر اصرار کرتا ہے اور وہ میرے خیال سے وحدت زندگی کے لحاظ سے انسانی تقدیر کا ایک قطعی تصور رکھتا ہے۔''

انسان خدا کی منتخب مخلوق ہے۔ ثم اجتبٰه ربّهٗ فتاب علیه وهدیٰ (۲۰:۱۲۲)

پس خدا نے آدم کو برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت عطا فرمائی۴۲۔

اقبال اکادمی لاہور کے زیر اہتمام چھپنے والی کتاب تجدید فکریات اسلام، اقبال کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ ہے کہ جس میں اقبال کے سات خطبات کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ان تمام خطبات میں اقبال کی فکر قرآن کے حوالوں سے واضح ہے۔ اقبال نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی قرآن کو رہنما کیا ہے۔ برِّعظیم پر انگریزوں کے تسلط سے قبل بہت سے فرماں رواؤں نے اسلامی تہذیب وتمدن سے مراد ''فنون لطیفہ'' کی ترقی وترویج لی تھی۔ اور اس صورتِ حال میں دین دار طبقے نے سیاست سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ علامہ اقبال کے نزدیک غلامی صرف یہ نہیں کہ مسلمانوں پر کوئی غیر قوم تسلط حاصل کر کے اسے محکوم بنائے بلکہ وہ ''غیر اللہ'' کی اطاعت اور ذہنی پستی کو اصل غلامی قرار دیتے تھے۴۳۔ برِّعظیم میں انحطاط وزوال کے دور میں ہمیشہ اولیا، علما اور مفکرین کا ایسا گروہ موجود رہا ہے کہ جنھوں نے ''غیر اللہ'' کی حقیقی اطاعت کا درس دیا، کیوں کہ ان کے نزدیک مسلمانوں کا نصب العین ''اعلائے کلمتہ اللہ'' ہے اور اس کے لیے وہ اتباعِ سنت کو شرطِ اوّلین قرار دیتے ہیں۴۴۔

اقبال کے کلام میں فارسی کی روایتی تراکیب کے ساتھ نئی تراکیب ملتی ہیں مثلاً جبرئیل آشوب، مرد آفاقی، آدابِ خداوندی، پردگی نیام، طائر لاہوتی، صنم خانہ اسرار ازل، خوگر پیکر محسوس، دانش حاضر، مجبور پیادائی وغیرہ وغیرہ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ جگہ آیاتِ قرانی کے حوالے دیے ہیں جس سے ان کے کلام میں روحانیت اور تقدس کی فضا پیدا ہوگئی۔ علاوہ ازیں نبیوں، پنجتن پاک، خلفائے رسول، بزرگانِ دین اور الہامی کتابوں کی تفصیل اور خوبیاں اہم حصہ ہیں۔ اسلام کے اصول، عقائد واعمال، اسلام اور قبل اسلام کی کثیر تعداد میں تلمیحات بھی ملتی ہیں کہ جن کو پڑھ کر ایمان تازہ ہوجاتا ہے۴۵ آدمؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، سلیمانؑ، خلیلؑ، محمدؐ، حیدرِ کرار، حسنؓ، حسینؓ، زہراؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبور، قرآن، مسجد، کعبہ، حرم، سومنات، بت خانہ، کلیسا، اسداللہ، صاحبِ لولاک، مولائے یثرب، جادوئے سامری، ملتِ بیضا، یٰسین، طٰہٰ، غرض پورا کلام مخصوص اسلامی فضا سے معمور نظر آتا ہے۴۶۔

اقبال کی شاعری کی بنیادی فضا اسلامی ہے ان دیکھے خدا پر یقین توحید نبوت، اتحاد کی تلقین،

مسلمانوں کا شان دار ماضی اور مستقبل کی خوشخبری، وطنیت کے پست تصور کو توڑ کر اسلام کی عالم گیریت اور آفاقیت کے سب سے بڑے مبلغ اقبال ہی تھے۴۷۔

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

ماضی کے تاب ناک آثار ''مسجد قرطبہ میں اور صحرائے عرب کی فضا'' خضر راہ'' اردو میں ادب عالیہ کا شاہکار ہیں۔

اقبال نے قرآن کو ایسے سمجھا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ اور حرف کی معنویت کو آشکار کرنے کی سعی کی ہے۔

عالم اسلام میں گزشتہ صدی میں ان سے بڑھ کر کوئی دیدہ ور پیدا نہیں ہوا۴۸۔ اسلام اور ملتِ اسلامیہ سے اقبال کی ذہنی وابستگی، لادینی نظامِ حیات سے بیزاری، دینی معاشرے کی آرزومندی اقبال کے بنیادی موضوعات تھے اقبال بیسویں صدی کا وہ عظیم مفکر ہے کہ جس نے علوم جدیدہ اور فلسفے کے گہرے مطالعے کی روشنی میں اسلام اور پیغامِ قرآن کو واضح کیا ہے۴۹۔ وہ اسلام اور قرآن میں دیے گئے آئین حیات کو دنیا کے تمام سیاسی و معاشی مسائل کا واحد حل سمجھتے ہیں۔ اقبال کا عقیدہ تھا کہ اسلام ہی وہ واحد نظام حیات ہے جو دین و دنیا، جسم و روح دونوں کی بنیاد ترقی کی ضمانت دیتا ہے۵۰۔

علامہ نے اپنی پوری زندگی قرآن پڑھتے، سوچتے گزاری۔ علامہ کے نزدیک قرآن وہ واحد کتاب ہے کہ جس سے نئے نئے علوم، نئی روشنی اور نئی قوت حاصل ہوتی ہے قرآن کی قرأت ایسے کرتے تھے کہ گویا نازل ہو رہا ہو۵۱۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کے خطبات کا جائزہ لیں تو پندرہ خطبات پر مشتمل یہ کتاب تحریری و تقریری شان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہر خطبے میں قرآنی آیات و تراجم کا استعمال ہے مثلاً اپنے خطبہ ''اتحاد اسلامی'' میں جو کہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو کلکتہ میں دیا گیا تھا ابتدا ہی آلِ عمران کی آیت نمبر ۲۶ سے کی گئی ہے:

> ''یا اللہ! اے سلطنت کے مالک تو سلطنت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے اور عزت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور ذلیل بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہر خوبی ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۵۲۔''

مختار مسعود اپنی مشہور کتاب ''آوازِ دوست'' میں اسی آیت کا استعمال ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں کہ:

''پاکستان کی مجلس آئین ساز کا اجلاس تھا ملکۂ معظمہ کا نمائندہ کہہ رہا تھا آج میں آپ کے وائسرائے کی حیثیت سے تقریر کر رہا ہوں کل سے مملکتِ پاکستان آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ غیب سے ندا آئی:

مَلکِ المُلک تو تی المُلک مَن شاء

مالک الملک تو ہی دیتا ہے ملک جس کو چاہے۔

میں نے یہ آواز سنی میری آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی میں نے مطلع صاف کرنے کا نسخہ پوچھا جواب ملا تمھیں سوال زیب نہیں دیتا تمھارے پاس کیمیا بھی ہے اور نسخۂ کیمیا بھی ۵۳۔

اردو ادب میں متعدد مثالیں ہیں کہ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تراجم کی اثر پذیری ہر نوع کے ادب پر پڑی ہے۔ ہلکا پھلکا ادب جن میں واقعتاً ٹھوس اسلامی علم تفسیر، حدیث یا فقہ وغیرہ کو نہیں بیان کیا گیا شاعری، ناول، افسانہ وغیرہ پر بھی اسلامی فکر کے اثرات واضح ہیں کیوں کہ معاشرے کی اصلاح کے دو طریقے ہو سکتے ہیں دونوں اپنی نوعیت میں انقلابی ہیں ایک طریقہ طاقت اور تشدد کا ہوتا ہے کہ جو ذہنوں پر خوف مسلط کر دیتا ہے جب کہ دوسرا طریقہ وہ جو رسولِ پاک نے اپنایا کلمۂ طیبہ کا فہم معاشرے میں عام کیا جائے طاقت ایک وقتی بند ہے جب کہ اسلام سے حاصل ہونے والی روحانی بالیدگی دائمی ہے ۵۴۔

مولوی نذیر احمد کے اصلاحی ناولوں کی روایت کو ایم اسلم اپنی تحریروں کی روشنی میں بڑھاتے ہیں ان کی ہر تحریر میں معاشرے کی اصلاح اسلام کی روشنی میں نظر آتی ہے ۵۵۔

اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسے ایسے اہلِ قلم میسر آئے کہ جنھوں نے اعلیٰ ترین ادب تخلیق کیا۔ ایسے علما کی بھی کمی نہیں کہ جنھوں نے اپنی ساری عمر قلمی جہاد کے لیے وقف کر دی ڈاکٹر حمید اللہ کا شمار بھی ایسے جیّد عالموں میں ہوتا ہے اپنی کتاب Introduction of Islam کا ترجمہ اسلام کیا ہے؟ کے نام سے کیا گیا ہے میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''قرآن کریم پوری انسانیت کی کتاب ہے۔ اس کی دعوت ہر رنگ و نسل کی ہر فرد کو ہے۔ اس لیے اس کی وسعت سب وسعتوں پر محیط اور سب جامعیتوں میں جامع ہے۔ کوئی تنگ نظری اس کتاب انسانیت سے میل نہیں کھا سکتی ۵۶۔''

اسی کتاب کی بدولت یورپ نے عربوں سے ایک نیا طریقہ سیکھا جو عقل کو سند (Authority) پر ترجیح دیتا ہے ۵۷ مختلف مکاتیب فکر کے علما نے مذہبی ادب کی ترویج کے لیے اپنے تئیں کام کیا۔ علمائے دیوبند کا کام وقعت و وسعت کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ علمائے دیوبند کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات اظہر من الشمس ہیں دیوبند تحریک دراصل شاہ ولی اللہ کی تحریک کا ہی دوسرا رخ ہے ۵۸ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ٹھیک دس سال بعد ۱۸۶۷ء میں اس کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا اساسی مقصد اسلامی علوم کی صحیح معنوں میں

ترویج وحفاظت کے ساتھ ساتھ اسلامیانِ ہند کی درست اسلامی خطوط پر تربیت تھا۔اس بابرکت ادارے کے قیام سے پاکستان سے قبل اور بعد میں کام جاری رکھا اور پھر نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں اس مکتبہ فکر کے ادارے قائم کیے گئے۔ان علمی مراکز نے قرآن، سنت، فقہ وکلام کے علمی جواہر سے تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کا کام کیا۔ یہ ایک طویل فہرست ہے مگر چند اہم کام درج ذیل کیے جارہے ہیں۔

علوم القرآن

شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ قرآن اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی تفسیر، مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر وترجمہ (بیان القرآن) مفتی محمد شفیع کی تفسیر ''معارف القرآن'' مولانا اشرف علی تھانوی کی ''احکام القرآن''، مولانا ادریس کاندھلوی کا ترجمہ وتفسیر ''معارف'' مولانا تقی عثمانی کا ''آسان ترجمہ قرآن'' وغیرہ۔
علوم حدیث کی جو خدمت علمائے دیوبند نے انجام دی اس نے قرون اولیٰ کے محدثین کی یاد تازہ کردی۔ علامہ انورشاہ کاشمیری کی بخاری شریف کی شرح فیض الباری، العرف الشذی، شرح ترمذی۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی ابوداؤد کی شرح ''بذل المجہور'' علامہ شبیر احمد عثمانی کی ''فتح اللھم علی صحیح مسلم (۳ جلدیں) مولانا یوسف بنوری کی ''معارف السنین'' مولانا بدر عالم میرٹھی کی ''ترجمان السنہ'' مولانا محمد منظور نعمانی کی ''معارف الحدیث'' یہ مختصر تعداد بیان کی گئی ہے جب کہ علوم حدیث اور حفاظت حدیث کے موقع پر علمائے دیوبند کے علمی جواہر پارے حدوشمار سے باہر ہیں[۵۹]۔

علوم فقہ

فقہ اسلامی اور خصوصاً فقہ حنفی کی ترویج واشاعت میں مسلک دیوبند سے وابستہ علمی مراکز نے جو خدمات دی ہیں اگر انھیں بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب صرف فہرست کی تیار ہوسکتی ہے[۶۰]۔

یہاں صرف چند جواہر پاروں کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

- ☆ امدادالفتاویٰ — مولانا اشرف علی تھانوی — (۶ جلدیں)
- ☆ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند — (۴ جلدیں)
- ☆ فتاویٰ رشیدیہ — رشید احمد گنگوہی
- ☆ کفایت المفتی — مفتی کفایت اللہ — (۹ جلدیں)
- ☆ جواہرالفقہ — مفتی محمد شفیع — (۲ جلدیں)
- ☆ جدید فقہی مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل
- ☆ احکام القرآن مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا ادریس کاندھلوی مفتی محمد شفیع (۶ جلدیں)

اس کے علاوہ فقہ حنفی پر مخالفین کے اعتراضات کے جوابات میں بے شمار رسائل معرض وجود میں آئے جن کی افادیت مسلّم ہے۔ معاشرت، سیاست، سوانح، سیرت، ادب حتیٰ کہ طب و جراحت کے موضوعات اور خالص دینی علوم کی توضیح وتشریح کی ایک مکمل فہرست بنائی جائے تو محض اسماالرجال کی کئی جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں ۱۶۔ مفتی محمد تقی عثمانی کی چند کتب کے نام مندرجہ ذیل ہیں یہ فہرست بھی نامکمل ہے عہد حاضر کے سریع التصنیف مصنفینِ اسلامی کتب میں مفتی محمد تقی عثمانی کا نام اہم ترین ہے۔ علوم القرآن، آسان نیکیاں، اسلام اور سیاست حاضرہ، اسلام اور جدت پسندی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، بائبل سے قرآن تک (۳ جلدیں)، دینی مدارس کا نصاب و نظام عدالتی فیصلے (شریعت کی روشنی میں) فقہی مقالات نفاذ شریعت اور اس کے مسائل، ہمارا تعلیمی نظام وغیرہ وغیرہ ۶۲۔

آپ کے صاحب زادے عمران تقی عثمانی صاحب نے اسلامی بینکاری اور نظام معیشت پر مقالہ تحریر کرکے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی ہے۔ دیوبندی مسلک سے نظریاتی اختلاف رکھنے والے مولانا احمد رضا بریلوی نے بھی ترجمہ قرآن کنزالایمان کے علاوہ متعدد کتب تصنیف کی ہیں جن میں ''فتاویٰ رضویہ'' خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی علمی تبحر کے مولانا مودودی بھی معترف تھے لیکن ساتھ ہی وہ نزاعی مسائل کے لیے افسردہ بھی تھے کہ جن کی وجہ سے مولانا رضا بریلوی کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر پردے پڑ گئے۔۶۳

برِ عظیم میں اگر مناظراتی ادب کا جائزہ لیا جائے تو اس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مولانا حقانی نے ''خلاصۃ القصائد'' جیسی بے شمار کتب تحریر کیں۔ انگریز نو آبادیاتی دور میں مذہبی منافرت کو ایک خاص مقصد کے تحت پھیلایا جاتا تھا علمائے کرام نے اپنا زورِ قلم اور وقت ایسی تصانیف کی تخلیق میں بھی صرف کیا ہے کیوں کہ یہ عصری تقاضا تھا پھر اشتراکیت کے خلاف ردِعمل کے طور پر بھی مذہبی ادب کو ترقی ملی فروغ احمد نے اپنے مقالے ''اسلامی ادب کی تحریک'' میں اسلامی ادب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔۶۴

اسلامی ادب کی اصطلاح کی مخالفت بھی کی گئی مگر نصیر الدین ہاشمی، شوکت سبزواری، احسن فاروقی، ابواللیث صدیقی اور آفتاب احمد خان جیسے نامور اہلِ قلم نے اسلامی ادب کی حمایت میں اپنا واضح نکتہ نگاہ پیش کر کے اس رجحان کو ترغیب دی ہے ۶۵۔

تحریک ادب اسلامی کی ادبی جہت مولانا مودودی کے نظریات پر مبنی ہے ان کا قول ہے کہ ''معاش کے لیے ادب پیدا کرنا غلط ہے... ادب حسن کلام اور حسن تاثیر کا نام ہے۔'' ۶۶

تحریک اسلامی میں قوتِ محرکہ مولانا مودودی نے ہی مہیا کی ہے جن کی تصانیف الجہاد فی الاسلام،

پردہ، خلافت وملوکیت، دینیات، تنقیحات، تفہیمات، مسئلہ جبر و قدر، مکاتیب اور خطبات اور ترجمہ وتفہیم القرآن نے لاکھوں مسلمانوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا جس میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے مولانا مودودی بھی ''فکرولی اللّٰہی'' کے مداح ہی نہیں پیروکار بھی تھے جس کا والہانہ اظہار ان کے مکتوب سے ہوتا ہے ۶۷۔

آج کے دور کا مرغوب موضوع قرآن کی اور سائنس کی باہمی آویزش بھی ہے متعدد کتب اس موضوع پر تحریر کی گئیں علاوہ ازیں ابن فرید نے نفسیات کی رو سے اسلامی عقائد کی تشریحات کو موضوع بنایا ہے۔ اسعد گیلانی، خورشید احمد اور فروغ احمد جیسے دانش ور کشادگی اور معنویت کے اسلامی موضوعات پر قلم فرسائی کرتے نظر آتے ہیں ۶۸۔

مذہبی تصانیف کی ضمن میں متعدد اہم نام ہیں حمید الدین فراہی کا نظام القرآن، عبدالماجد دریابادی کی تفسیرِ ماجدی کے علاوہ تصوف اسلام، حیوانات قرآن، جغرافیہ قرآن، علوم القرآن، قصص و مسائل اہم تصانیف ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا مشرقی جیسے علما کی کاوشیں نا قابل فراموش ہیں۔

ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی صاحب لندن یونیورسٹی میں شعبہ ثقافت ہند و پاک کے لیکچرر تھے کئی کتابیں تصنیف کیں ''فیوض القرآن'' اہم ہے ۶۹۔

ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر غلام مرتضیٰ، ڈاکٹر فیوض الرحمٰن وغیرہ نے عصر حاضر میں بے حد وقیع کام کیا ہے۔ ڈاکٹر فیوض الرحمٰن کی تصانیف میں مشاہیر علما (۳ جلدیں) اور ''تعارف قرآن'' اہم ہیں۔

اس باب میں اردو کے مذہبی ادب کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق دنیا کی تمام زبانوں میں اردو ایسی زبان ہے کہ جس میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے علاوہ مذہبی کتب سب سے زیادہ تعداد میں ہیں ۷۰۔ قرآن عرب میں نازل ہوا لیکن سب سے زیادہ برِّ عظیم میں سمجھا گیا۔

اردو زبان میں مذہبی ادب پر مسلسل کام ہو رہا ہے اس کام میں سترہویں صدی سے لے کر تا حال کسی قسم کا تعطل نہیں آیا۔ قرآن نے صرف عربی زبان و ادب ہی کو نہیں بلکہ دنیا کی متعدد زبانوں کو متاثر کیا انھیں نئے تصورات، نئے الفاظ، تراکیب، نئی بندشیں، تشبیہات، استعارے اور محاورے دیے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنے تحقیقی مضمون ''اردو میں قرآنی محاورے'' میں اردو اور فارسی میں استعمال ہونے والے ستانوے محاورات پیش کیے ہیں ۷۱، مثلاً

صِبغَتہ اللہ (البقرہ: ۱۳۸) رنگ دیا تم کو اللہ نے بمعنی رنگ چڑھانا، حالت بدل دینا وغیرہ۔

گو اخوت صبغتہ اللّٰہی سے تھی رنگی ہوئی
پر ہوائے جاہ و ثروت نے اڑا دی یک قلم

فَخَلّوا سَبِیلَھُم (التوبہ:۵) پس چھوڑ دو ان کا راستہ۔

جرأت کا شعر ہے کہ:

اب جو ملتا نہیں قسمت میں وہاں جانے کو
استخارہ بھی ہمیں راہ نہیں دیتا ہے[۲]

بلاشبہ تین سو سال کے قرآنی اور مذہبی ادب نے اردو زبان کو سلاست اور روانی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا دیا ہے[۳]۔ علاوہ ازیں اپنے مضمون ''ہمارا معاشرہ اور عربی'' میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ رقم طراز ہیں کہ:

''برِ عظیم میں جب مسلمانوں کا قیام شروع ہوا تو عربی سے انھیں اپنے دین کی وجہ سے خصوصی تعلق رہا ایک مسلم معاشرے کا عربی کے بغیر چارہ نہیں ہماری زبان میں عربی کے متعدد الفاظ اور احکام اسلام اصل مفہوم کے ساتھ رائج ہیں حتیٰ کہ خاص اصطلاحات بھی اردو زبان میں بعینہ عربی زبان کی مانند رائج ہیں مثلاً بسم اللہ، الحمد اللہ، السلام علیکم، جزاک اللہ، ماشاء اللہ، سبحان اللہ وغیرہ۔ اردو شاعروں نے آیات قرآنی کا استعمال اشعار میں خوب کیا ہے مثلاً مومن کا شعر ہے کہ:

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

اس شعر میں قرآنی تلمیح ہے جس کی وجہ سے لطیف نکتہ پیدا ہوا ہے آیت قرآنی ہے:
اَمَّن یُّجِیبُ المُضطَرَّ اِذَا دَعَاہ (یعنی اللہ کے سوا کون ہے جو مضطر کی دعا سنے[۴]''

مذہبی ادب اور علمائے کرام نے ہر دور میں برِ عظیم کے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے علامہ اقبال نے اپنے لیکچرز میں وضاحت اور صراحت سے مسلمانوں کو پیغام دیا ہے کہ موجودہ دور میں اسلام کے علم الکلام کی بنیاد بھی جدید تجزیاتی علوم کی دریافتوں پر استوار ہونی چاہیے اس لیے کہ نتائج قرآنی افشائے حقیقت سے ہم آہنگ ہیں۔ چناں چہ دین کا سائنٹفک علم موجودہ دور کے مسلمانوں خاص کر نوجوانوں کو راسخ العقیدہ بنا دے گا اور وہ وقت دور نہیں جب مذہب اور سائنس اپنی باہمی مطابقت دریافت کر لیں گے جس کا ابھی تصور نہیں کیا جا سکتا[۵]۔

جس طرح ایک مغربی مفکر کارل پاسیر کا کہنا ہے کہ ''کوئی بھی انسان کی تمام امکانی قوتوں کا تصور نہیں کر سکتا۔ انسان خلافِ توقع زیادہ سے زیادہ چیزیں کرنے کی قوت رکھتا ہے[۶]'' قرآن کا بنیادی

موضوع انسان ہی ہے۷ے قرآن سے دنیا کے بے شمار انسان بے شمار مقاصد کے لیے رجوع کرتے ہیں۸ے قرآن اصول وکلیات کی کتاب ہے۹ے عصری تقاضوں کے ساتھ ساتھ ''فہم قرآن'' بھی ایک ارتقا پذیر علم ہے۸۰ے عالم اسلام کی اس سے بڑی کوئی خدمت نہیں کہ ان میں صحیح شعور پیدا کیا جائے۸۱ے یہ خدمت اردو زبان کے اہل فکر و اہل نظر قلم کاروں نے کی ہے۔ مذہبی ادب کا موضوع انتہائی وسیع ہے۔ یہاں مختصراً جائزہ لیا گیا ہے بقول مرزا غالب:

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

حواشی:

۱ے ڈاکٹر معین الدین عقیل، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، ص ۱۵۱۔

۲ے محمد حسین آزاد، آبِ حیات، ص ۳۱۔

۳ے رام بابو سکسینہ، تاریخ اردو ادب، ص ۴۶۔

۴ے ایضاً، ص ۴۶۔

۵ے حامد حسن قادری، تاریخ اردو ادب، ص ۹۳۹۔

۶ے ایضاً۔

۷ے ایضاً۔

۸ے محمد ذاکر علی خان، روایاتِ علی گڑھ، ص ۳۔

۹ے رام بابو سکسینہ، تاریخ اردو ادب، ص ۶۵۹۔

۱۰ے حامد حسن قادری، تاریخ اردو ادب، ص ۵۹۳۔

۱۱ے محمد حسین آزاد، آبِ حیات، ص ۲۳۔

۱۲ے ڈاکٹر عبادت بریلوی، ادب اور ادبی قدریں، ص ۱۳۔

۱۳ے ایضاً، ص ۳۵۔

۱۴ے مرزا ادیب، ادبی کالم، ص ۱۴۴۔

۱۵ے سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص ۱۸۸۔

۱۶ے ایضاً، ص ۳۳۰۔

۱۷ے حامد حسن قادری، تاریخ اردو ادب، ص ۹۴۰۔

۱۸ے سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص ۲۱۵۔

۱۹ے ابوالکلام آزاد، مقالات ابوالکلام آزاد، ص ۴۲۔

۲۰۔ ابوالکلام آزاد، پیغام محمد مشمولہ 'نقوش' رسول نمبر، جلد دوم، ص ۳۲۳۔
۲۱۔ مالک رام، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** مشمولہ 'نقوش' رسول نمبر، جلد دوم، ص ۱۷۳۔
۲۲۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، حضور انور کی امتیازی خصوصیات مشمولہ ایضاً، ص ۴۴۱۔
۲۳۔ ڈاکٹر قمر دہلوی، اردو شاعری کا نظریاتی وفکری مطالعہ، باب سوم، ص ۱۲۲۔
۲۴۔ ڈاکٹر احتشام حسین ندوی، غالب کی شاعری میں قرآنی تلمیحات مضمون مشمولہ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر، جلد دوم، ص ۲۹۳۔
۲۵۔ سید مسعود حسن رضوی، میر انیس مختصر تعارف (مضمون) مشمولہ نقوش انیس نمبر، ص ۶۴۲۔
۲۶۔ محمد طفیل، نقوش انیس نمبر، ص ۱۔
۲۷۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، اردو کا تفسیری ادب (پیش لفظ)، ص ۱۸۔
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۸۔
۲۹۔ خورشید احمد، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند، جلد دہم، ص ۲۶۱۔
۳۰۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، ص ۶۰۰۔
۳۱۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، ص ۳۱۔
۳۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ اردو ادب، جلد سوم، ص ۵۲۴۔
۳۳۔ سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ص ۱۴۶۔
۳۴۔ ڈاکٹر عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، ص ۶۷۴۔
ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، ص ۲۴۷۔
۳۵۔ ایضاً، ص ۲۶۱۔
۳۶۔ ڈاکٹر عابد حسین، قومی تہذیب کا مسئلہ، ص ۲۱۹۔
۳۷۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، ص ۲۷۴۔
۳۸۔ ایضاً، ص ۲۷۴۔
۳۹۔ علامہ سلیمان ندوی، خطبات مدراس (دیباچہ)، ص ۴۔
۴۰۔ ڈاکٹر وحید عشرت، تجدید فکریات اسلام (اقبال کے انگریزی خطبات کا ترجمہ)، ص ۱۱۔
۴۱۔ ایضاً، ص ۹۔
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔
۴۳۔ پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی، اقبال کا تصورِ دین (دیباچہ)، ص ۸۔
۴۴۔ ایضاً، ص ۱۰۔
۴۵۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اقبال مجدد عصر، ص ۳۱۔

۴۶۔ ایضاً،ص ۳۱۔
۴۷۔ ایضاً،ص ۶۱۔
۴۸۔ رشید احمد صدیقی،نقوش اقبال (مقدمہ)،ص ۱۳۔
۴۹۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری،اقبال سب کے لیے،ص ۶۔
۵۰۔ پروفیسر محمد ہارون عثمانی،فکر اسلامی کی تشکیلِ نو (اقبال کے انگریزی خطبات کا ایک مطالعہ)،ص ۳۲۔
۵۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،نقوشِ اقبال ص ۶۲۔
۵۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد،خطباتِ آزاد،ص ۱۵۔
۵۳۔ مختار مسعود،آوازِ دوست،ص۔
۵۴۔ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی،بیسویں صدی میں اردو ادب،ص ۳۲۱۔
۵۵۔ ایضاً،ص ۳۲۱۔
۵۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) Introduction of Islam (ترجمہ اسلام کیا ہے؟)،ص ۱۳۔
۵۷۔ ڈاکٹر عابد حسین،تاریخ فلسفہ اسلام (پیش لفظ)،ص ۹۔
۵۸۔ مولانا حسین احمد نجیب،عقائد علمائے دیوبند (مقدمہ)،ص ۱۱۔
۵۹۔ ایضاً،ص ۱۶۔
۶۰۔ ایضاً،ص ۱۶۔
۶۱۔ ایضاً،ص ۱۷۔
۶۲۔ ایضاً،ص ۱۱۹۔
۶۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی،مکاتیب،ص ۲۴۰۔
۶۴۔ ڈاکٹر انور سدید،اردو ادب کی تحریکیں،ص ۶۴۰۔
۶۵۔ ایضاً،ص ۶۴۰۔
۶۶۔ ایضاً،ص ۶۴۰۔
۶۷۔ مولانا مودودی،مکاتیب،ص ۱۶۰۔
۶۸۔ ڈاکٹر انور سدید،اردو ادب کی تحریکیں،ص ۶۴۱۔
۶۹۔ ڈاکٹر فیوض الرحمٰن،تعارف قرآن،ص ۴۵۸۔
۷۰۔ ایضاً،ص ۳۶۶۔
۷۱۔ امجد رؤف خان،(مدیر اعلیٰ) 'سیارہ ڈائجسٹ'،قرآن نمبر،جلد دوم،ص ۲۸۶۔
۷۲۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان،اردو میں قرآنی محاورے،مشمولہ 'سیارہ ڈائجسٹ'،قرآن نمبر،جلد دوم،ص ۲۸۱۔
۷۳۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان،اردو کا نثری ادب اور قرآنی تراجم و تفاسیر،مشمولہ ماہ نامہ 'مسیحائی'،قرآن نمبر،شمارہ جولائی

اگست ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۰۔

۷۴۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ہمارا معاشرہ اور عربی (مضمون) مشمولہ 'مخزن ادب' ص ۸۲۔۸۱۔

۷۵۔ ڈاکٹر وحید اشرف، تجدید فکریاتِ اسلام (اقبال کے انگریزی اردو خطبات کا ترجمہ)، ص ۱۲۔

۷۶۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت، ص ۲۴۔

۷۷۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد اوّل (مقدمہ)، ص ۱۹۔

۷۸۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۷۹۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۸۰۔ مظہر ممتاز قریشی، قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبان میں، ص ۱۰۔

۸۱۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۲۱۸۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

کتب:

۱۔ احتشام حسین، سید: ۲۰۰۵ء، ''اردو ادب کی تنقیدی تاریخ''، دارالنور، لاہور۔

۲۔ آزاد ابوالکلام، مولانا: ۲۰۰۶ء، ''خطباتِ آزاد''، بک ٹاک، لاہور۔

۳۔ آزاد، ابوالکلام: سن ندارد، ''مقالات ابوالکلام آزاد''، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۴۔ آزاد، محمد حسین: ۱۹۷۴ء، ''آبِ حیات''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔

۵۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر: ۱۹۹۰ء، ''اقبال مجدد عصر''، اقبال اکیڈمی، لاہور۔

۶۔ بدایونی، ضمیر علی: ۱۹۹۹ء، ''جدیدیت اور مابعد جدیدیت''، اختر مطبوعات، کراچی۔

۷۔ بریلوی، عبادت، ڈاکٹر: ۱۹۸۵ء، ''ادب اور ادبی قدریں''، ادارۂ ادب و تنقید، لاہور۔

۸۔ ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند''، جلد دہم، ۔۔۔، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

۹۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۲۰۰۸ء، ''تاریخ اردو ادب''، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۱۰۔ حمید اللہ، ڈاکٹر: ۲۰۱۰ء، مترجم سید خالد جاوید مشہدی، ''Introduction of Islam'' (ترجمہ: اسلام کیا ہے؟)، بیکن بکس، ملتان۔

۱۱۔ خان، محمد ذاکر علی: ۲۰۰۸ء، ''روایاتِ علی گڑھ''، علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، کراچی۔

۱۲۔ دہلوی، قمر، ڈاکٹر: ۱۹۹۸ء، ''اردو شاعری کا نظریاتی و فکری مطالعہ''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

۱۳۔ سکسینہ، رام بابو: ۲۰۰۲ء، ''تاریخ اردو ادب''، غضنفر اکیڈمی، کراچی۔

۱۴۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر: ''اردو کا تفسیری ادب''۔

۱۵۔ عابد حسین، ڈاکٹر: ت ن، ''قومی تہذیب کا مسئلہ''، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
۱۶۔ عابد حسین، ڈاکٹر: ت ن، ''تاریخ فلسفہ اسلام''، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
۱۷۔ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر: ۱۹۸۳ء، ''فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات''، سائن آفسٹ ورکس، الہ آباد، انڈیا
۱۸۔ عثمانی، محمد ہارون پروفیسر: ۱۹۸۸ء، ''فکر اسلامی کی تشکیلِ نو''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔
۱۹۔ عقیل، معین الدین، ڈاکٹر: ۱۹۷۶ء، ''تحریک آزادی میں اردو کا حصہ''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی۔
۲۰۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر: ۱۹۹۹ء، ''اقبال سب کے لیے''، شعبۂ تصنیف و تالیف، جامع کراچی
۲۱۔ فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: ۲۰۰۰ء، ''معارف القرآن''، دارالاشاعت، کراچی۔
۲۲۔ قادری، حامد حسن: ۱۹۳۹ء، ''داستان تاریخ اردو''، لکشمی نارائن اگروال، آگرہ۔
۲۳۔ قریشی، مظہر ممتاز: ۱۹۸۸ء، ''قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبان میں''، بہادر یار اکیڈمی، کراچی۔
۲۴۔ کاسگنجوی، حسرت، عبدالحق: ۱۹۸۸ء، ''ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ادب''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔
۲۵۔ مرزا ادیب: ۱۹۵۱ء، ''ادبی کالم''، پاکستان بک اینڈ لٹریچر ساؤنڈ، لاہور۔
۲۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید: ۱۹۷۱ء، ''مکاتیب''، (جلد اوّل)، ایوان ادب، لاہور۔
۲۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید: ۱۹۷۰ء، ''تفہیم القرآن''، جلد اوّل، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔
۲۸۔ نجیب، حسین احمد، مولانا: ۱۹۹۲ء، ''عقائد علمائے دیوبند''، دارالعلوم کورنگی، کراچی۔
۲۹۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، مولانا: ۱۹۷۵ء، ''نقوشِ اقبال''، مجلس نشریات، کراچی۔
۳۰۔ ندوی، ابوالحسن، سید، مولانا: ۱۹۷۶ء، ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر''، (طبع نہم)، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔
۳۱۔ ندوی، سلیمان، علامہ: ۱۹۷۷ء، ''خطبات مدراس''، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
۳۲۔ وحید عشرت، ڈاکٹر: ۲۰۰۲ء، ''تجدید فکریات اسلام''، (اقبال کے انگریزی سے اردو خطبات کا ترجمہ)، اقبال اکیڈمی، لاہور۔
۳۳۔ ہاشمی، شفیق الرحمٰن، پروفیسر: ۱۹۸۸ء، ''اقبال کا تصورِ دین''، فیروز سنز لاہور۔

رسائل:

۱۔ ماہ نامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' قرآن نمبر، جلد دوم۔
۲۔ ماہ نامہ ''مسیحائی''، شمارہ جولائی اگست ۲۰۰۸ء، قرآن نمبر۔
۳۔ ''مخزنِ ادب''، برائے ڈگری کلاسز، ۲۰۰۳ء، ادارۂ تصنیف و تالیفات و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔
۴۔ سہ ماہی، ''نقوش'' رسول نمبر، جلد دوم۔ انیس نمبر